امام علی رضاؑ کی شخصیت و عظمت
تاریخی و تحقیقی تجزیہ

ڈاکٹر سید علی سلمان رضوی

افمن اتّبع رضوان اللّٰہ کمن بآء بسخط من اللّٰہ وماوٰہ جھنّم وبئس المصیر۔ا

ترجمہ: کیا وہ شخص جو خدا کی پیروی کرنے والا ہے، اس کے برابر ہوسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مول لے؟ جنہوں نے اللہ کو ناراض کیا ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور بہت بری بازگشت ہے۔

یقیناً رضائے الٰہی کے سامنے سرتسلیم خم کرنا ہی اسلام ہے۔ بارگاہ احدیت میں مقام تقرب مقام رضائے الٰہی کے مطابق ہی حاصل ہوتا ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے وہی انسان، انسان کامل کہلانے کا مستحق ہے جو مقام رضائے الٰہی میں عرش کمال تک پہنچ جائے۔ یہ مرتبہ انبیائے کرام اور ائمہ معصومینؑ کے لئے مختص ہے جو تقرب الٰہی میں ایسے مقام پر فائز ہیں جن کی رضامندی یا ناراضگی اور اطاعت یا نافرمانی کو خداوند متعال اپنی رضامندی یا ناراضگی اور اپنی اطاعت یا نافرمانی قرار دے۔

خداوند عالم نے جس طرح حضرت محمد مصطفیٰؐ کو اپنی رضا کا آئینہ قرار دیا اسی طرح آپ کے بعد آپ کے حقیقی خلفاء بھی رضائے الٰہی کا مظہر قرار پائے۔ ان ہی میں سے امام حضرت علی رضاؑ بھی مقام رضائے الٰہی کے نقطۂ کمال پر تھے اسی بنا پر آپ کا نام ہی رضاؑ مشہور ہوگیا۔۲ اس کے علاوہ انہیں سراج اللہ، نور الہدیٰ، قرۃ المومنین، فاضل، صابر صدیق اور ذکی جیسے القاب سے یاد کیا گیا لیکن رضاؑ کے لقب سے آپ نے غیر معمولی شہرت پائی۔

صاحب ''صواعق محرقہ'' اور صاحب ''حبیب السیر'' رقم طراز ہیں کہ حضرت امام علی رضاؑ قدرومنزلت کے اعتبار سے سب سے افضل واعلیٰ تھے بلکہ اشرف مخلوق زمانہ حضرت امام رضاؑ تھے اور ہر زبان ولغت میں فصیح ودانا ترین مردم تھے۔ جو شخص جس زبان میں باتیں کرتا تھا اسی زبان میں حضرت ان کو جواب دیتے۔ مورخین نے امام عالی مقام کو دوسری صدی کے ابتدائی دور میں مذہب

امامیہ کا مجدّد تسلیم کیا ہے۔

امام علی ابن موسیٰ الرضا علیہ السلام نے ۱۱/ ذیقعدہ ۱۴۸ھ میں اپنے جد بزرگوار حضرت امام جعفر صادقؑ (بنیان گذار فقہ جعفری) کی شہادت کے ۱۶/ دن بعد میدان حیات میں قدم رکھا اور دنیائے علم ومعرفت اور فضیلت وتقویٰ کو اپنے قدم مبارک سے زینت وافتخار بخشا۔ تاریخی اعتبار سے امام علی رضاؑ نے عباسی خلیفہ ہارون رشید اور اس کے لڑکے مامون کے دور حکومت میں زندگی بسر کی۔ امام علی رضاؑ نے اپنے والد بزرگوار حضرت موسیٰ بن جعفر علیہ السلام کے گہوارۂ تربیت میں پرورش پائی تھی لہٰذا والد بزرگوار کی شہادت کے بعد ۳۵/سال کی عمر میں امامت کے درجے پر فائز ہوکر تمام مسلمانوں کے مرجع اور ملجاء قرار پائے اور ان کا گھر علم ودانش کا مرکز بن گیا۔ مذہب اسلام کے نامور علماء ودانشمند، فقہ وحدیث کے ماہرین اور دیگر اسلامی علوم ومعارف پر گہری نظر رکھنے والے لوگ آپ کے گھر پر ہر وقت جمع رہنے لگے یہاں تک کہ اسلامی علوم ومعارف سے دلچسپی رکھنے والوں کی تعداد اتنی بڑھ گئی کہ امامؑ کے دوستوں نے مشورے کے طور پر یہ کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ خلیفۂ وقت ہارون رشید کی تلوار سے خون ٹپک رہا ہے وہ ہرگز اس بات کو گوارہ نہیں کرے گا کہ اتنی کثیر تعداد میں لوگ آپ کے پاس جمع ہوں۔ امام رضاؑ نے دوستوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ ”جس طرح پیغمبرؐ نے کہا تھا کہ اگر ابوجہل میرے سر کا ایک بال بھی کم کردے تو میں پیغمبرؐ نہیں ہوں۔ بالکل اسی طرح میں بھی کہتا ہوں کہ اگر ہارون رشید میرے سر کا ایک بال بھی کم کردے تو تم لوگ گواہ رہنا میں امامؑ نہیں ہوں۔“ [۳]

آپ کی امامت کا زمانہ فقط بیس سال تک رہا۔ امام رضا علیہ السلام کے اس دور کو علوم وافکار وعقائد کے ٹکراؤ اور ان کو دوسری زبانوں میں منتقل کرنے اور یونان واسکندریہ کی تصنیفات ومعارف کے عربی زبان میں ترجمہ کا دور کہا جاتا ہے۔امام علی رضا علیہ السلام علم ودانش کی ترقی اور معارف اسلامی کی ترویج کی طرف بہت زیادہ توجہ مبذول فرماتے تھے۔ اس انداز سے آپ کی پُرفیض وپُرکشش مجلس، شاگردوں اور طالبان علوم کی کثرت سے ہمیشہ موجزن رہتی تھی۔ اور مختلف مذاہب وعقاید کے پیشواؤں اور مختلف جماعتوں کے فکری رہبروں سے امام علی رضا علیہ السلام کے مناظروں اور مباحثوں کے پُرجوش جلسے مشہور ومعروف ہیں۔ دنیا کے ہر خطے وعلاقے سے مختلف ادیان ومذاہب کے مشہور ونامور علماء مرکز خلافت کی طرف آتے تھے۔ اور امام علیہ السلام سے بحث

ومباحثے ہوا کرتے تھے۔امام رضاؑ ان بحثوں کے ذریعے علماء وصاحبان نظر کے سامنے دین اسلام کے حقائق کی تشریح وتوضیح فرمایا کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ مباحثے اور مناظرے اسلام کی تبلیغ واشاعت کے سلسلے میں گہرے اثرات کے حامل ہوتے تھے۔ امام علیہ السلام کے مختلف اہم کارنامے مثلاً ثنویہ (دو خداؤں کے اعتقاد رکھنے والوں) کے ساتھ اجتماعات اور دہریوں کے ساتھ مباحثے، کیتھولک عیسائیوں (جاثلیق) کے ساتھ مناظرے، یہودیوں (راس الجالوت) کے ساتھ مجادلے اور زندیقوں وبے دینوں سے بحث وتمحیص کے واقعات اہل سنت کی معتبر کتابوں میں بھی درج ہیں۔

یہ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ مامون رشید نے امام رضاؑ کی علمی عظمت وشخصیت کو کم کرنے لئے یہودی، مسیحی، زردشتی، صائبین اور اس وقت کے دوسرے مذاہب کے بڑے بڑے علماء مثلاً جاثلیق، راس الجالوت، ہربذ اکبر،نسطاس رومی اور عمران صابی وغیرہ کو بلایا تھا اور ان سب سے مقابلے کے لئے امام علی رضاؑ کو دعوت دی کہ وہ اس تاریخی مجلس میں ان علماء کے ساتھ مناظرہ کریں۔اس مجلس میں کلّ کفر بالکل اسی طرح کلّ ایمان کے مقابلے میں اکٹھا کیا تھا جس طرح جنگ احزاب میں رسولؐ نے اس وقت فرمایا کہ جب عمر بن عبد ود حضرت کے مقابلے میں آیا'' برز الایمان الی الکفر کلّہ'' آج کلّ کفر کے مقابلے میں کل ایمان جارہا ہے۔اگر عمروبن عبدود فتح حاصل کرلیتا تو گویا کفر کی اسلام پر فتح ہوتی۔ اسی طرح اس مجلس میں بھی اگر امام رضاؑ کے علاوہ کوئی دفاع اسلام کرتے ہوئے شکست کھاجاتا تو اسے بھی کفر کی اسلام پر کامیابی کا نام مل جاتا۔مگر یہ بھی یاد رہے کہ جنگ احزاب میں اسلام اور کفر کا عملی مقابلہ تھا اور اس مجلس میں دونوں کا علمی اعتبار سے مقابلہ تھا۔

امام علی رضاؑ کا مناظرہ دنیا کے دانشوروں کے ساتھ اسلام کے زرّین دور میں پیش آیا یعنی یہ مناظرہ ایسے دور میں وقوع پذیر ہوا جب اسلام جغرافیائی اعتبار سے وسیع ترین حدود تک پھیل چکا تھا۔حجاز سے شروع ہوکر ایک طرف مراکش، تونس،مصر اور ہسپانیہ تک پھیل گیا تھا۔ اور دوسری طرف فلسطین، ایران افغانستان اور چین کی سرحدوں تک سرایت کرچکا تھا۔ دنیا کی واحد سپر طاقت اسلام ہی تھا، دوسرے مذاہب اسلامی حکومت کو جزیہ ادا کرتے تھے۔

عرض کیا جاچکا ہے کہ ایک ایسے دور میں وہ دانشور جن کو مامون نے بلوایا اپنے اپنے مذاہب کے چوٹی کے علماء تھے۔ اس مجلس کی گفتگو کا دقیق مطالعہ کرنا چاہئے تاکہ کفرواسلام کا تقابل خوب اچھی طرح سے ظاہر ہوجائے اور امام علی رضاؑ کی علمی عظمت اور دنیا بھر کے دانشوروں پر ان کا

تفوق معلوم ہو سکے اور یہ بھی معلوم ہو سکے کہ خاندان پیغمبرؐ اور ائمہ معصومینؑ کے بغیر مشرق و مغرب میں کہیں بھی صحیح علم موجود نہ تھا۔

امام علی رضا علیہ السلام کے دور حیات و امامت کو تین حصوں میں تقسیم کرنا زیادہ مناسب ہے۔

آپ کی زندگی کا پہلا حصہ امامت سے قبل کا زمانہ ہے، اپنے والد حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کے زیر سایہ رہ کر مدینہ منورہ کے مقدس روحانی ماحول میں اپنے خاندان والوں کے ساتھ ۲۵ سال گزارے۔ یہ دور ۱۴۸ھ / ۱۵۳ھ میں شروع ہوکر ۱۸۳ھ میں ختم ہوتا ہے۔ حضرت زمام رضا کی زندگی کا دوسرا حصہ ان کی امامت کا وہ دور ہے جو مدینہ میں بسر ہوا۔ امامت کے ابتدائی دس سال ہارون رشید کے عہد حکومت میں گزارے۔ اور اس کے بعد پانچ سال ہارون کے بیٹے امین کے دور حکومت میں گزارے۔ زندگی کے تیسرے دور کو آپ نے یعنی امامت کے آخری پانچ سال مامون کی حکومت کے دور میں بسر کیے۔ یہ دور وہ دور ہے جب آپ کو ولی عہد کے لئے نامزد کیا گیا تو آپ نے مدینے سے خراسان کا سفر کیا۔ اس طرح سے عمر کے آخری حصے تک آپ ولی عہد کے عہدے پر فائز رہے۔ زندگی کے اس آخری مرحلے میں مامون نے ایک منصوبہ بند پروگرام کے تحت امام علی رضاؑ کو زہر آلود انگور کھلا کر شہید کر دیا۔ یہ عظیم مصیبت ۱۷ رصفر المظفر ۲۰۳ھ میں، اور بعض مورخین کے پیش نظر ماہ صفر کے آخری دن ۹؎ شہر طوس میں نازل ہوئی۔ اس وقت تک حضرت کی عمر مبارک کے ۵۴ رسال تین مہینے اور انیس روز پورے ہو چکے تھے۔

مجموعی طور پر یہ کہنا حق بجانب ہے کہ امام علی رضاؑ کا دور امامت ۲۰ سال پر مشتمل ہے۔ جس کے ذریعے امامؑ نے ہارون رشید، امین اور مامون کے دور خلافت میں اسلامی حقائق و معارف کی اشاعت کا اہم کارنامہ انجام دیا۔

امام علی رضاؑ کمزور اور پسماندہ طبقے کے لوگوں سے بیحد محبت کرتے تھے اور نرمی اور رحم دلی سے پیش آتے تھے اور انہیں لوگوں کے دسترخوان پر کھانا زیادہ پسند کرتے تھے۔ ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ ہر شخص کی حاجت روائی کے لئے ہمہ وقت آمادہ رہتے تھے اور رات کی تاریکی میں فقراء و مساکین کو روٹیاں اور درہم و دینار تقسیم کیا کرتے تھے۔ وہ کسی کو ڈانٹ کر نہیں پکارتے تھے اور گفتگو کے دوران کسی کی بات کو ہرگز نہیں کاٹتے تھے۔ وہ انتہائی خندہ پیشانی کے ساتھ لوگوں کی تعلیم

وتربیت میں لگے رہتے تھے اور باقی اوقات ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔لیکن دوسری طرف حکومت کے افسروں اور حاکموں کے ساتھ ان کا رویّہ سخت ہوتا تھا۔ وہ حکام اور اعلیٰ افسروں کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کرتے تھے۔

آپ کے حسن واخلاق کا عالم یہ تھا کہ عید الفطر کے روز ہر طبقے کے بیشمار لوگ آپ کی تکبیرات پر لبیک کا نعرہ بلند کرتے ہوئے شامل ہوئے۔ امامؑ کی اس مقبولیت نے تخت خلافت کی چولیں ہلادیں۔جس کی بناپر مامون نے امام رضاؑ کو نماز پڑھانے سے روک دیا اورعید گاہ سے واپس بلالیا۔

امام علی رضاؑ کی حقیقی عظمت کو کوئی نہیں پہچان سکتا اور ان کے اوصاف وکمالات کا بیان وتذکرہ کسی کے بس کی بات نہیں حتیٰ کہ جادوبیان مقرر، بلند مرتبہ شاعر، نکتہ سنج ادیب، سخن پرداز فصحا، گہری نظر رکھنے والے دانشمند اور ماہرین علوم ومعارف امام علی رضاؑ کے اوصاف میں کسی ایک صفت، اور ان کے بیشمار فضائل میں سے کسی ایک فضیلت کے بیان کرنے سے عاجز ہیں، چہ جائیکہ امامؑ کے جملہ اوصاف وکمالات کا تذکرہ اور امامت کے ہر گوشے پر روشنی ڈالنا سعی لاحاصل ہے۔

امام علی رضاؑ نے بہت سادہ ومعمولی طرز کی زندگی گزاری۔ نہایت عظیم المنزلت شخصیت ہونے کے باوجود آپ اپنے خادموں کے ساتھ دسترخوان پر تشریف فرما ہوتے اور ان کے ساتھ غذا تناول فرماتے تھے۔ کھانا کھاتے وقت جب تک تمام غلام وخدمتگار دسترخوان پر بیٹھ نہ جاتے آپ کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتے تھے۔کئی بار عباسی دربار کے بعض متکبرین کی طرف سے اس کی تاکید بھی کی گئی کہ امام علی رضاؑ کے لئے خاص غذا کا انتظام کیا جائے اور علیحدہ دسترخوان بچھایا جائے لیکن امامؑ نے کبھی اس کی اجازت نہیں دی اور اس سلسلے میں امام رضاؑ نے فرمایا:

”خاموش رہو! اس قسم کی بات نہ کرو کیونکہ ہم سب کا خالق وپروردگار ایک ہے۔
ہم سب کے ماں باپ ایک ہیں۔ اور جزائیں اعمال وکردار کے اعتبار سے دی
جائیں گی، ایسی صورت میں کیسے میں اپنے کو الگ اور ممتاز کرسکتا ہوں۔“[۵]

امام علی رضاؑ کے مذکورہ اقتباس سے امام رضاؑ کی ہدایت معاشرے میں رہنے والی اقلیتوں سے مخصوص ہیں جس میں میانہ روی اور عادلانہ روش اختیار کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ بہت سے مواقع پر وسیع انداز میں بھی ان سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے اور دوسرے گروہوں کو بھی شامل کیا

جا سکتا ہے۔

علاّمہ مجلسی تحریر کرتے ہیں کہ ۲۰۰ھ میں حضرت امام علی رضاؑ نے مدینہ سے نباج، بصرہ، کوفہ، خراسان، بغداد کا سفر طے کرتے ہوئے جب قم کا ارادہ کیا تو امام علی رضاؑ کی آمد کی اطلاع اہل قم کو ہوئی تو اہل قم کا جم غفیر شہر سے باہر استقبال کے لئے آ گیا۔ لوگ آپس میں جھگڑا کرنے لگے امامؑ کا قیام کس کے گھر میں ہوگا۔ بالکل وہی منظر تھا جو آپ کے جد امجد رسولؐ خدا کو مکہ مکرمہ سے ہجرت کرتے وقت پیش آیا تھا۔ جس طرح رسولؐ اکرم نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ جس گھر کے سامنے ناقہ رُکے گا وہیں حضرت رسولؐ خدا کا قیام ہوگا۔ اسی طرح امام رضاؑ نے بھی ارشاد فرمایا کہ جہاں پر ناقہ بیٹھ جائے گا وہیں پر میرا قیام ہوگا۔ امام علیہ السلام کا ناقہ اس گھر کے سامنے بیٹھا جس کے مالک نے رات کو خواب میں دیکھا تھا کہ کل امام ثامن ضامن الغرباؑ اس کے مہمان ہوں گے۔ جب حضرت نے نیشاپور کی طرف حرکت فرمائی تو عقید تمندوں کا ایک سمندر تھا جو ٹھاٹھیں مارتا ہوا حضرت کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ جس کو بھی پتہ چلتا تھا کہ فرزند رسولؐ یادگار مرتضیٰ، نور دیدگان زہراؑ مامون کی طلب پر مدینہ منورہ سے خراسان تشریف لے جا رہے ہیں اور آپ کا یہ سفر سفر شہادت ہے۔ اس راستہ پر امامؑ غریب کو لوٹنا نصیب نہیں ہوگا تو وہ پروانہ وار بجھتی ہوئی شمع امامت کی زیارت کرنے کے لئے دوڑ پڑتے تھے کہ اگر اب جمال امامت کی زیارت نہ کی تو پھر قیامت تک محروم رہیں گے۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نہایت خوبصورت اور قد آور شتر پر خالص چاندی کی ہودج میں سوار تھے جس کے چاروں طرف زربفت وکم خواب کے خوبصورت پردے پڑے ہوئے تھے۔ جیسے ہی نیشاپور والوں نے سنا کہ امام رضاؑ شہر کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ تو جس طرح اہل قم استقبال کے لئے شہر سے باہر آ گئے تھے اسی طرح دور و دراز اور قرب و جوار سے آئے ہوئے لوگوں کے ساتھ اہل نیشاپور کا جم غفیر بحر مواج کی طرح امام رضاؑ کے استقبال کو بڑھا۔ آگے آگے کثیر تعداد میں مشاہیر علماء اپنے شاگردوں کے ساتھ لوگوں کی پیشوائی کر رہے تھے۔ جیسے ہی امام رضاؑ کی سواری نیشاپور کے بازار میں داخل ہوئی تو درود و سلام کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔

نیشاپور کے دو ممتاز عالم ابوذرعہ اور محمد بن اسلم طوسی سواری کے قریب آئے۔ محمل کو بوسہ دیا۔ اور تقدیم و تعظیم و تسلیم کے بعد یوں عرض کیا۔

” ایّھا السّید ابن السّادة، ایّھا الامام وابن الائمّة ، ایّھا السّلالة الطّاھرة

الرضیّة، ایّها الخلاصه الزّاکیه النّبویه بحقّ آبائک الطّاهرین واسلاف الاکرمین الاّ اریتنا وجهک المبارک المیمون ورویت لنا حدیثا عن آبائک عن جدّک تذکرک به"[۷]

ترجمہ: اے سید ابن سادات ، اے امام ابن ائمہ، اے خانوادہ طہارت کی محبوب ترین فرد، اے خاندان نبوت کے پاک ومنزّہ اپنے آبائے طاہرین اور اپنے برگزیدہ اسلاف کا واسطہ، ہمیں اپنا مبارک اور مقدس چہرہ دکھادیں اور اپنے آبائے کرام اور جد بزرگوار سے مروی حدیث ہمارے لیے بیان فرمادیں، جس کے ذریعے سے آپ کی یاد ہمارے دلوں میں باقی رہے۔

حضرت امام علی رضاؑ نے اشتر کوٹھہرنے کا حکم دیا۔ حضرت کی سواری کے حاجب کوحکم ہوا کہ عماری کے پردے اٹھائے جائیں۔ پردے اٹھائے گئے۔ برج محمل سے قمر امامت نورنبوت کو حالہ بنائے ہوئے نمودار ہوا۔ فرزند رسولؐ حُسن رسولؐ اللہ کی آئینہ داری کررہا تھا۔ احمد مصطفیٰؐ کی طرح دو سیاہ گیسو، سر پر سبز عمامہ تھا۔ چہرہ اس قدر نورانی کہ آنکھیں دیکھتے ہی سلامی کو جھک جائیں۔ جب لوگوں کی نگاہیں رخ انور پر پڑیں تو اپنے محبوب رسولؐ اکرم کی تصویر آنکھوں کے سامنے دیکھ کر فغاں وشیون کی صدائیں بلند ہوئیں ، وفور جذبۂ محبت میں لوگوں نے دیوانہ وارگریبان چاک کر ڈالے۔ ایک دن تھا کہ امّت حضرت موسیٰ کوہ طور پر تجلی نور کے مشاہدہ کی تاب نہ لاسکی تھی ،آج نیشاپور میں امّت حضرت رسولؐ اکرم فرزند حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام کے نورکو دیکھ کر بے ہوش ہورہے تھے۔

حضرت امام علی رضاؑ کی سواری صبح کے وقت نیشاپور پہونچی۔ مشتاقین زیارت جو والہانہ جذبۂ محبت ومودّت میں سرشار تھے یوں منقلب ہوئے کہ ان کی یہ بے چینی اور بے قراری نصف النّہار تک ختم نہ ہوئی۔ روایت کے الفاظ ہیں۔

" الی ان انتصف النّهار وجرت الدّموع کالانهاروسکنت الاصوات وصاحت الائمّة والقضاة: معاشره النّاس اسمعوا وعو ولاتؤذوا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و آله فی عترته وانصتوا "[۸]

ترجمہ: لوگ اسی طرح گریہ وفغاں میں مشغول تھے کہ سورج سمت الراس پر آ گیا۔ لوگوں نے اس قدر گریہ کیا کہ اگر آنسوؤں کو جمع کیا جاتا تو

نہریں جاری ہوجاتیں۔ ائمہ اور قضات نے فریاد بلند کی۔ اے گروہ مردم! خاموش ہوجاؤ۔ فرزند رسولؐ کے ارشاد گرامی کو گوش وہوش سے سنو۔ حضرت رسولؐ کو ان کی عترت کی وجہ سے اذیت نہ کرو۔ یعنی تمہاری چیخ وپکار سے فرزند رسولؐ خطاب نہیں فرما سکتے خاموش ہوجاؤ تاکہ ہم سب امام عالی مقام کے بیان سے مستفید ہوں۔ اس پر لوگ خاموش ہو گئے۔''

حضرت امام رضاؑ نے اپنی زبان گوہر بار کو حرکت دی اور اس فصاحت سے اور لحن شیریں سے جو بنی ہاشم کا خاصہ تھی اپنے کلام کا آغاز تسبیح وتمجید باری تعالیٰ اور درود وسلام ختمی مرتبت سے کیا۔ حضرت کلمہ ارشاد فرماتے تھے اور ابو ذرعہ ومحمد بن اسلم بلند آواز میں ان کی تکرار کرتے تھے۔ راوی کہتا ہے کہ چوبیس ہزار قلمدان حرکت میں آ گئے۔ امام عالی مقام نے ارشا فرمایا کہ مجھ سے میرے پدر بزرگوار امام موسیٰ کاظمؑ نے، ان سے ان کے والد ماجد امام جعفر صادقؑ نے ان سے ان کے والد بزرگوار امام محمد باقرؑ نے، ان سے ان کے پدرگرامی حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے۔ ان سے ان کے پدگرامی امام حسینؑ نے ان سے ان کے والد محترم حضرت امام علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے روایت کی ہے کہ مجھے جبرئیل نے باخبر کیا اور جبرئیل نے حجاب نور سے صدائے رحمان کو سنا۔ آواز قدرت تھی لاالہ الاّ اللّٰہ حصنی من دخل فی حصنی امن من عذابی'' یعنی کلمہ لا الہ الاّ اللّٰہ میرا قلعہ ہے جو میرے اس قلعہ میں داخل ہوا اس نے میرے عذاب سے امان پائی۔

خداوند عالم نے مقام رضاؑ کے درجۂ کمال پر پہنچنے والوں کی جو قرآن پاک میں صفات بیان کئے ہیں ان میں پہلی صفت الذّین آمنوا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو حقیقی معنی میں ایمان لائے۔ حضرت امام رضاؑ نیشاپور میں اس حدیث شریف کے ذریعے حقیقی اہل ایمان کی پہچان کروارہے ہیں کہ جو لاالہ الاّ اللّٰہ کے قلعہ کی پناہ میں ہے وہ حقیقی معنی میں صاحب ایمان ہوا اور اس نے عذاب خدا سے نجات پائی۔ اور جس نے عذاب الٰہی سے نجات نہ پائی اس کا دعویٰ ایمان صحیح نہیں۔ ایمان در اصل قلب کی معرفت حاصل ہونے اور زبان کے ساتھ اقرار کرنے اور ارکان کے ساتھ عمل کرنے کا نام ہے۔ ارکان کو امام علی رضا علیہ السلام نے شرائط سے تعبیر فرمایا ہے۔ امام رضاؑ نے اپنے بیان کو جاری رکھتے ہوئے پھر ارشاد فرمایا:

''ولکن بشرطھا وشروطھا وانا من شروطھا۔'' لیکن شرط وشرائط کے ساتھ یعنی اقرار

نبوت پیغمبر آخر الزمان (ص) کے علاوہ اورکئی شرطوں کے ساتھ یعنی بارہ امامؑ کی امامت کے اقرار کے ساتھ اور میں بھی ان شرطوں میں سے ایک شرط ہوں۔ یعنی بارہ اماموں میں سے ایک امامؑ ہوں۔

آیۂ کریمہ میں دوسری صفت ''وھاجروا'' بیان کی گئی ہے یعنی'' اور وہ جنہوں نے ہجرت کی'' حضرت امام علی رضاؑ اس صفت کے بھی حامل ہیں کہ انہوں نے رضائے خدا کے لئے مدینہ سے خراسان ہجرت فرمائی۔ تیسری صفت '' وجاھدوا فی سبیل اللّٰہ باموالھم وانفسھم'' ہے۔ یعنی اپنی جان و مال سے راہ خدا میں جہاد کرنے والے ہیں۔ امام علی رضا علیہ السلام کو جو کچھ بھی مال دینا سے ملا اپنے آباء واجداد کی سنّت اور سیرت پر چلتے ہوئے فقراء ومساکین ومحتاجوں میں تقسیم فرمایا۔ رضائے الٰہی پر راضی ہوکر جہاد نفس یوں کیا کہ جب سیاسی تقاضوں کے پیش نظر سلطنت نے جھک کر قدمبوسی کی تاکہ سلطنت اور ملک گیری کی جاذبیت آپ کے مزاج امامت کو بدل دے تو آپ نے جہادنفس سے (جسے حضرت رسولؐ اکرم نے جہاد اکبر سے تعبیر کیا ہے) مقاومت کرکے اس کو بے اثر ثابت کردیا۔ مامون نے اپنی بیٹی ام حبیبہ کے ساتھ شادی کرا کے رشتہ بڑھایا تاکہ فکر امامت میں تبدیلی واقع ہومگر امامؑ نے اپنے جہادنفس سے اس وارکو بھی ردکیا۔ امامؑ کی فکر میں کوئی مکر نہیں آیا۔ مامون نے چاہا کہ ولی عہدی سے سوء استفادہ کرکے اپنی مرضی کے مطابق احکام قرآنی میں تبدیلی کروائے۔ لیکن یہ امامؑ کا جہادنفس تھا کہ مامون اس مقصد میں کامیاب نہ ہوسکا۔ وہ چاہتا تھا کہ مادی ماحول میں رکھ کر امام رضاؑ علیہ السلام کی روحانیت کوضعیف کردے۔ مگر اس میں بھی آپ کا جہادنفس تھا کہ آپ اس کے ماحول سے ذرّہ بھر متاثر نہ ہوئے۔ بلکہ اپنی روحانیت سے ماحول کو متاثر کیا۔ مامون نے علمائے نصاریٰ ویہود وآتش پرست وصائبین سے امام رضاؑ کا مناظرہ اس غرض سے کرایا کہ اگر آپ ان کے مقابلے میں شکست کھائیں تو آپ کی علمی شہرت ختم ہوجائے۔ آپ کو اپنے قریب رکھ کر آپ کے کردار میں عیب تلاش کرنا چاہتا تھا تاکہ عوام کے دل میں جو آپ کے بلند کرداری کی بناپر آپ کی عزت وشہرت تھی اسے ختم کردے۔ امام علیہ السلام ان تمام باطنی ارادوں کا علم رکھنے کے باوجود نہایت صبروتحمل سے مأمون کے اس گھناؤنے رویّے کو برداشت کرتے رہے۔ ایسے ماحول میں صبروتحمل جہادنفس کے بغیر ہرگز ممکن نہ تھا۔ آپ کے صبروتحمل اور جہادنفس کی بناپر دشمن کے تمام منصوبے اوراس کی تمام سازشیں ناکام ہوگئیں۔ عام وخاص میں آپ کی عزت وشہرت میں کمی ہونے کے بجائے، آپ کا بلند کردار، آپ کا

مقام علم وفضل آفتاب ومہتاب کی طرح اہل کمال واہل فضل کے دلوں کو منور کرتا رہا۔ شمع امامت سے لوگوں کی محبت وارادت پروانہ وار بڑھتی ہی چلی گئی۔ اس بڑھتی ہوئی شہرت وعزت دیکھ کر آخر کار مامون الرشید نے امام غریب مظلوم کے ساتھ وہی سلوک کیا جو اس کے باپ ہارون الرشید نے امام رضاؑ کے پدر بزرگوار کے ساتھ کیا تھا۔

یہ حق بجانب ہے کہ انسان کا دشمن واقعی اور سخت ترین عدو وہ شخص ہے جو ظاہری سلوک، احترام، خوش زبانی اور شیریں کلامی سے دوستی ومحبت کا اظہار کرے اور باطنی طور پر کالے سانپ کی طرح موقع پا کر ڈسنے کی فکر میں رہے۔ اس کی عام علامت یہ ہے کہ وہ جب بھی آپ کے کسی کمال اور خوبی کو دیکھے گا اسے لوگوں کی نگاہ سے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرے گا۔ اور جب کبھی آپ کی کوئی معمولی سی برائی بھی اس کے علم میں آئے گی اسے بڑھا چڑھا کر لوگوں سے بیان کرے گا۔ مامون کا یہ رویّہ امام علی رضا علیہ السلام کے ساتھ تھا۔ وہ ظاہری طور پر آنحضرت کی تعظیم وتکریم میں کوئی کمی نہیں کرتا تھا جس سے اکثر لوگ یہی سمجھتے تھے کہ وہ امامؑ کو دل وجان سے چاہتا ہے لیکن باطنی طور پر وہ ہمیشہ حضرت امام رضاؑ کی روحانی اور جسمانی اذیت کے درپے تھا۔ اسے امام عالی مقام کی ذات میں جب کوئی معمولی سی برائی نظر نہ آئی تو اس نے امام علی رضاؑ کی خوبیوں اور ان کے روحانی کمالات کو لوگوں کی نگاہ سے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کی۔ اس نے اپنی باطنی کدورت اور کینہ کو اپنی ظاہری محبت اور تعظیم سے چھپایا۔ اگر وہ واقعی منصب خلافت وحکومت، امامؑ کے سپرد کرنا چاہتا تو اسے امام علیہ السلام کو مدینہ طلب کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ خود امام رضاؑ کی خدمت میں پہنچ کر اپنی اس خواہش کا اظہار نہایت اخلاص اور کمال ارادت سے کرسکتا تھا۔ وہ اپنے باپ کی طرف حضرت امام موسیٰ کاظمؑ پر کیے ہوئے ناروا مظالم پر اظہار ندامت کرتا اور نیک نیتی سے معافی چاہتا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ جب رجاء بن ابی ضحاک نے مدینہ سے خراسان آتے ہوئے ان معجزات وفضائل وہ کرامات، عبادات اور مکارم اخلاق کا ذکر کیا جو اس نے سفر میں اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا تھا تو مامون نے اسے سختی سے منع کردیا کہ وہ یہ باتیں لوگوں کو نہ بتائیں۔ خود ہی مامون نے امامؑ کو نماز عید پڑھانے پر مجبور کیا لیکن جب آپ اپنے جدّ بزرگوار حضرت رسولؐ خدا کے انداز سے عید گاہ کی طرف چلے اور بلند آواز سے تکبیرات عید پڑھنے کا یہ اثر ہوا کہ معلوم ہوتا تھا کہ انسان ہی نہیں بلکہ ملائکہ بھی حضرت کے ہم زبان ہوکر تکبیرات پڑھ رہے تھے۔ زمین وآسمان سے تکبیر کی صدائیں آرہی تھیں۔ لوگ نور

جمال فرزند رسولؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فریفتہ ومفتون ہوچکے تھے تو پھر خود ہی مامون نے پیغام بھیجا کہ یابن رسولؐ اللہ میں نے آپ کو بڑی زحمت دی۔ آپ واپس آجائیں۔ جو ہرسال نماز عید پڑھاتا ہے وہی نماز عید پڑھادے گا۔ امام علی رضاؑ اپنی جوتی منگا کر زیب پا ہوکر گھوڑے پر سوار ہوئے اور گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ مامون کے اس رویّہ سے لوگ بہت ناراض ہوئے اور نماز عید میں شامل ہونے کو ناپسند کرتے ہوئے نماز عید ادا نہیں کی۔۹ اسلامی تبلیغ کا تقاضہ یہ تھا کہ جب امام رضاؑ کو علمائے نصاریٰ، صائبین، آتش پرست وراس الجالوت پر فتح حاصل ہوئی تو وہ امامؑ سے بارہا خواہش کرتا کہ وہ اس مناظرہ اور مباحثہ کو جاری رکھیں اور ملک کے اندر، اور ملک سے باہر اپنی تبلیغی سرگرمیاں جاری رکھیں لیکن جیسے ہی اسے امام رضا کے تبحر علمی کا علم ہوا پھر اسے مجلس مباحثہ ومناظرہ منعقد کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

یہ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اگر مامون حضرت امام علی رضاؑ کے علمی مقام وفضیلت کو سمجھ لیتا تو پھر کبھی اسے یہ جرأت نہ ہوتی کہ اپنی ولی عہدی قبول کرنے پر امامؑ کو مجبور کرتا۔ امام رضاؑ کی اس خداداد عزت وعظمت کا اظہار بھی کئی مرتبہ ہوا جس سے عقیدتمندوں اور ارادتمندوں کے دل تو باغ باغ ہوگئے مگر مخالفین کے دل حسد ودشمنی سے کباب ہوگئے۔

نماز عید کے بعد شہر مرو میں قحط کے آثار نمودار ہوئے ایک مدت سے بارش نہ ہونے کی بناپر زمین ایک ایک قطرۂ آب کو ترس رہی تھی۔ مامون نے لوگوں کے اصرار پر امامؑ سے نماز استسقاء پڑھنے کی درخواست کی۔ آپ نے وعدہ فرمایا۔ دوسرے روز صحرا میں نماز استسقاء ادا کریں گے۔ آپ نے اپنے جدّ بزرگوار حضرت رسولؐ خدا کا لباس پہن کر پروقار انداز سے صحرا کا رخ کیا۔ سفید لباس زیب تن تھا۔ سفید عمامہ کا تحت الحنک چہرۂ مبارک کی رونق کو دوبالا کر رہا تھا۔ ہاتھ میں عصائے جدّ بزرگوار، زبان پر تسبیح پروردگار، آپ کا سر تو عظمت کبریائی کے سامنے جھکا ہوا تھا لیکن لوگوں کی نظریں چہرہ پر انوار کی زیارت کے لیے اوپر اٹھی ہوئی تھیں۔ فضا میں عجب عالم محویت تھا۔ شان امامت دیکھ کر دنیا مبہوت تھی۔ خاکپائے امامؑ اٹھا اٹھا کر لوگ آنکھوں سے لگارہے تھے۔ سرزمین مرو پر معلوم ہوتا تھا کہ آج خود رسولؐ خدا تشریف لے آئے ہیں۔ فرزند سید الانبیاءؐ، جگر گوشۂ مرتضٰی، نور چشم حضرت زہراؑ دلبند امام موسیٰ کاظمؑ نے اس انداز سے نماز استسقاء ادا کی کہ کچھ لوگ تو شان امامت سے متاثر ہوکر گریہ کررہے تھے اور کچھ لوگ آپ کے والد ماجد کی اس عبادت کو یاد کرکے

رو رہے تھے جو قید خانۂ بغداد میں دیکھ چکے تھے۔ بہر حال نماز عید کے بعد امامؑ نے بارگاہ خداوندی میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ ابھی دعا کے الفاظ تمام نہ ہوئے تھے کہ سیاہ بادل فرزند رسولؐ کی دست بوسی کے لئے اٹھے۔ لوگ گھبرائے۔ آپ نے فرمایا سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوجائیں۔ جب سب لوگ اپنے اپنے گھر پہنچ جائیں گے تو پانی برسے گا۔ بالآخر ایسا ہی ہوا۔ پانی کھل کر برسا۔ دریاؤں میں اس زور کا سیلاب آیا کہ لوگ عذاب طوفان سے خوفزدہ ہوگئے۔ امام علیہ السلام سے پھر درخواست کی۔ یابن رسول اللہؐ شہر کو تباہی سے بچایئے۔ امامؑ نے پھر دعا کی۔ بارش بند ہوگئی۔ مخالفین میں ہفتوں سرگوشیاں رہیں۔ ایک روز سب مل کر مامون کے پاس پہنچے اور کہا خدا نے جو عزت وشرف سلطنت آپ کو دیا ہے کفران نعمت خداوندی نہ کیجئے اور سلطنت کو بنی عباس سے نکال کر خاندان علیؑ میں منتقل نہ کیجئے۔ پہلے تو علی ابن موسیٰ الرضا کو ولی عہدی دی اور اب اس قدر معزز بنایا کہ لوگ بارش کے اتفاقیہ ہونے سے ان کو اپنا پیشوا اور امامؑ سمجھنے لگے۔ حمید بن مہران جو مامون کے مقربین میں سے تھا اور خانوادۂ عصمت وطہارت رسولؐ اکرم کا دشمن تھا۔ اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ اگر خلیفہ مجھے اجازت دیں تو میں علی رضاؑ سے مباحثہ کرکے ثابت کردوں گا کہ (معاذ اللہ) لوگ جو کچھ ان کے متعلق خوش فہمی رکھتے ہیں وہ ان کے ایمان کی کمزوری اور جہالت کی دلیل ہے۔ مامون نے اپنے دربار میں اپنے چند وزیروں اور مشیروں کی ایک مخصوص مجلس منعقد کی جس میں امام علیہ السلام کو بلایا، اٹھ کر تعظیم کی۔ اپنے قریب جگہ دی۔ حمید ملعون اپنی جگہ سے اٹھا اور امامؑ کے قریب آکر کہنے لگا لوگوں کے ذہن میں آپ کے متعلق بڑے غلط خیالات پیدا ہوگئے ہیں۔ بارش کے ہونے کو آپ کی دعا کا اثر سمجھ رہے ہیں حالانکہ یہ بارش خدا کی بھیجی ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا بیشک خدا ہی کی بھیجی ہوئی تھی اور میں بھی خدا ہی کا بھیجا ہوا ہوں۔ حمید یہ کلام سن کر برافروختہ ہوگیا اور ہنگامہ برپا کردیا۔ کہنے لگا کہ اگر خدا نے آپ کو یہ قدرت دی ہے تو جس طرح ابراہیمؑ نے مردہ پرندوں کو زندگی بخشی تھی آپ بھی اس قالین کے شیر کی تصویر کو زندہ کرکے دکھلا دیجئے تاکہ سب پر کذب وصدق واضح ہوجائے۔ امام علیہ السلام نے اس کی گستاخی کو اپنی توہین ہی خیال نہ کیا بلکہ تمام انبیاءؑ اور اپنے معصومین علیہم السلام کے مقام عصمت وطہارت کو پست کرنے کے مترادف خیال کیا۔ اپنے تحکمانہ انداز سے اس قالین کی طرف دیکھا جس پر دو شیروں کی تصویریں تھیں اور فرمایا: اے شیرو اٹھو اور اس دشمن خدا اور دشمن رسولؐ کو نگل جاؤ۔ پروردگار کے حکم سے دونوں شیر کی تصویریں اصلی شیر

بن کر اٹھیں اور حمید فاسق کو چیر پھاڑ کر کھا گئیں۔ لوگوں نے خوف وہراس سے آنکھیں بند کرلیں۔ مامون اپنے تخت سے غش کھا کر گر پڑا۔ جب ہوش آیا تو امام رضاؑ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ کہنے لگا خدا کا شکر ہے اس نے ہمیں حمید کے شر سے محفوظ رکھا۔

اس واقعے سے مامون کے دل پر کچھ ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ اس نے فیصلہ کرلیا کہ امامؑ کی موجودگی میں میری حکومت کا قیام محال ہے۔

ثقۃ المحدثین آقای حاج عباس قمی ''منتہی الآمال'' میں لکھتے ہیں۔

'' در آخر امر چون دید کہ ہر روز انوار علم وکمال وآثار رفعت وجلال آنحضرت برمردم ظاہر می شود ومحبت آنحضرت در دلہای ایشان جامیکند، نائرہ حسد درکانون سینہ اش مشتعل شد ودر مقام تدبیر آنحضرت (ع) برآمد وآنحضرتؑ را مسموم نمود'' [۱۱]

یعنی '' آخر کار جب دیکھا کہ ہر روز امام علی رضاؑ کے انوار علم وکمال اور آثار رفعت جلال لوگوں پر ظاہر ہورہے ہیں اور آنحضرتؑ کی محبت ان کے دلوں میں جاگزین ہورہی ہے تو حسد کی آگ مامون کے دل وسینہ میں بھڑک اٹھی اور حضرتؑ کی جان لینے کی تدبیر کرنے لگا اور آنحضرت کو زہر دے دیا۔

امامؑ نے ایسے دوست نما قومی دشمن کی سازشوں، عیارانہ منصوبوں اور جان سوز اذیتوں سے پُر ماحول میں انتہائی صبر وتحمل وجہاد نفس کا مظاہرہ کیا اور نہ صرف یہ کہ اپنی عزت ونفس اور آبروئے امامت کا تحفظ فرمایا بلکہ ختمی مرتبت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اپنے آباء واجداد معصومین علیہم السلام کے مقام علم وفضل اور عصمت وطہارت کو بھی چار چاند لگادیئے۔ عدل خداوندی کا تقاضہ یہی تھا کہ اس طرح اتباع رضائے الٰہی کرنے والے کو اور مشیت خداوندی کے لئے ایثار نفس کرنے والے کو ''رضا'' کے نام سے پکارے۔ حیات دینوی میں بھی ہر خاص وعام کے دلوں میں اس کی محبت پیدا کردے، اور ظاہری زندگی کے ختم ہونے کے بعد بھی اجل ایمان واہل تقویٰ ومعرفت اہل علم و روحانیت کے دلوں میں اس کی یاد باقی رکھے۔ چنانچہ آج تک صاحبان فضل وکمال اور ارباب علم ومعرفت کے دلوں میں جذبۂ عشق حضرت علی ابن موسیٰ الرضا علیہ السلام نورایمان بن کر چمک رہا ہے اور یہ جذبہ رہتی دنیا تک باقی رہے گا۔ آج بھی امام عالی مقام کی بارگاہ مشہد مقدس '' آستانہ قدس رضوی'' کے نام سے مشہور ہے اور مرکز جبہ سائی خاص وعام ہے۔ حافظ کہتے ہیں۔

قبر امام ہشتم سلطان دین رضاؑ   از جان ببوس و بردر آن بارگاہ باش
حافظ طریق بندگی شاہ پیشہ کن   وانگاہ درطریق چو مردان راہ باش۱۲

حوالے:

۱۔ سورۂ آل عمران، آیت ۱۶۲

۲۔ عیون اخبار الرضا، صدوق، ترجمہ نقی اصفہانی، ج/۱، ص ۱۳۔ انتشارات علمیہ۔ ایران

۳۔ کافی، ج ۸، ص ۲۵۷

۴۔ ترجمہ تاریخ طبری، ج/ ۱۳، ص ۵۶۷۵۔ (ترجمہ ابو القاسم پاینده) اساطیر، تہران ۱۳۶۲ شمسی

۵۔ کافی، ج/۸، ص ۲۳۰

۶۔ جغرافیائی تاریخ ہجرت امام رضاؑ از مدینہ تامرو، ص ۷۴، عرفان منش، جلیل آستان قدس رضوی، مشہد، ۱۳۷۴ شمسی

۷۔ منتہی الامال شیخ عباس قمی ج/ ۲، ص ۵۰۱، مؤسسہ انتشارات ہجرت ۱۳۷۳

۸۔ منتہی الامال: شیخ عباس قمی ج/ ۲، ص ۵۰۲، مؤسسہ انتشارات ہجرت، ۱۳۷۳

۹۔ اصول کافی: محمد یعقوب کلینی، عیون اخبار الرضا، : صدوق، ص ۳۹۰،

۱۰۔ عیون اخبار الرضا: صدوق، ابی جعفر محمد بن علی ابن الحسین بن بابویہ۔ ترجمہ محمد نقی اصفہانی، انتشارات علمیہ۔ ج/ ۲، ص ۴۰۸ و ۴۰۹۔

بحار الانوار: محمد باقر مجلسی، ترجمہ موسیٰ خسروی ج/ ۲ ص ۱۲۳۔ انتشارات اسلامیہ، تہران ۱۳۵۶ شمسی

منتہی الامال: شیخ عباس قمی، ص ۱۰۳۸، انتشارات فراروی۔ ۱۳۸۱ شمسی

مناقب آل ابی طالب: ابن شہر آشوب، ج/ ۳۔ ص ۴۷۸

۱۱۔ منتہی الآمال: شیخ عباس قمی۔ ج/ ۲۔ ص ۵۱۴، موسہ انتشارات ہجرت ۱۳۷۳

۱۲۔ دیوان حافظ شیرازی، بخط فاتح عزت پور، ص ۲۶۶، انتشارات پیراستہ (اسماعیلیان) تہران ۱۳۷۳